© rasailojaraid.com

شورش کاشمیریؒ

سید عطا اللہ شاہ بخاریؒ.............ایک باغ و بہار شخصیت

شاہ جیؒ کے ساتھ میں کچھ دن جیل میں رہا۔ ہفتوں ریل میں، مہینوں دفتر میں اور برسوں احرار میں۔ اس اثنا میں، کھل کر اور کھل کر سامنے آتے رہے۔ قرب کا یہ عالم اکثر شخصیتوں کا بھرم کھول دیتا ہے۔ لیکن شاہ جیؒ میں ایک بڑے انسان کی وہ تمام خصوصیتیں موجود تھیں جو قریب ہونے سے اور نکھرتی اور بکھرتی ہیں۔ فی الواقعہ وہ بڑے ہی آب ورنگ کے انسان تھے۔ وہ خصائص کا ایک مرقع تھے۔ انہیں یہ ملال یا خیال کبھی نہیں رہا کہ لوگ ان کے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟ البتہ جو شخص ان کے نزدیک ہوا ان کے محاسن کا گرویدہ ہوتا گیا۔ اور وہ ہمیشہ گردوپیش کے لوگوں پر، اپنا نقش جماتے رہے۔ عربی کی مشہور کہاوت ہے کہ حسن وہ ہوتا ہے جس کا سوکنوں کو بھی اقرار ہو۔ اس طرح ایک یورپی دانشور کا قول ہے کہ کوئی شخص گھر کا ہیرو نہیں ہوتا، لیکن شاہ جیؒ کا معاملہ یہ تھا کہ وہ گھر کے ہیرو بھی تھے اور ''سوکنوں'' میں بھی ان کے حسن کا چرچا تھا۔ عمر بھر کے ساتھی انہیں اپنا سردار مانتے اور باکمال لوگ، اختلاف پر بھی، ان کے کمال کا اعتراف کرتے تھے۔ اردو زبان نے غالباً اتنا بڑا خطیب پیدا ہی نہیں کیا۔ عامۃ الناس میں ایک زبردست مقررکی حیثیت سے معروف تھے۔ ایک خاص موقع پر علماء نے انہیں امیر شریعت کا خطاب دیا۔ اگر احرار کو ایک جسم فرض کیا جائے تو وہ اس کے روح رواں تھے۔ لیکن من حیث المجموع وہ کمالات فائقہ کا ایک پیکر تھے۔ ان کی زندگی کے بے شمار گوشے سامنے آچکے ہیں۔ لیکن بعض پہلو ایسے بھی ہیں جو ان کی عظیم خطابت تلے دب کر رہ گئے ہیں۔ وجہ یہ ہوئی کہ وہ قلم کے آدمی نہیں تھے۔ بارہا ان پر زور دیا کہ وہ اپنے سوانح حیات قلمبند کریں، مگر وہ طرح دیتے رہے، تحریر کو فتنہ گردانتے تھے۔ ان کا یہ عجیب وغریب خیال تھا کہ جب سے قلم اور کاغذ پیدا ہوئے ہیں، انسان فتنوں کا شکار ہو گیا ہے۔ وہ قلم کی کاٹ کو تلوار کی کاٹ سے زیادہ مہلک قرار دیتے اور اس کے زہر کو ہر حالت میں آبرو گسل سمجھتے تھے۔ میں نے جب بھی، ان کی سوانح عمری کا قصد کیا، وہ نہ صرف مہر بلب ہو گئے، بلکہ حوصلہ شکنی کی۔ میرے قلم سے جو سوانحی خاکہ نکلا، شاہ جی نے پیہم اصرار کے باوجود اس کا مسودہ سننے سے اعراض کیا۔ فرماتے تھے، میں کوچہ کا آدمی نہیں۔ اخباروں کے معاملہ میں بھی ان کا یہی حال تھا۔ وہ انٹرویو دینے سے کتراتے تھے۔ انہیں یہ خیال مطلق نہیں ہوتا تھا کہ ان کی تقریر کسی اخبار میں چھپی ہے یا نہیں؟ رہا تصویر کا سوال تو وہ اس کے سخت مخالف تھے۔ اس زمانے کے اخبارات اٹھا کر دیکھ لیجئے کسی اخبار میں ان کی کسی تقریر کا ذکر ہو تو الگ بات ہے، لیکن کسی موضوع پر کوئی بیان دینے یا چھپوانے کے قائل ہی نہ تھے۔ وہ تسلیم کرتے تھے کہ اس زمانہ میں اخبارات سے پناہ مانگتے تھے۔ خطوط کا جواب بھی شاذ ہی دیتے تھے۔ رسمی یا سرسری جواب کی بات دوسری ہے لیکن اس قسم کے خطوط، جو بڑے آدمیوں کی سوانح عمریوں کا ماخذ ہوتے ہیں، ان کے قلم سے نہیں نکلے۔ خود احرار نے، کئی وقفوں سے مختلف اخبار جاری کئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر اپنے قلم سے ایک حرف بھی نہ لکھا۔ روز نامہ ''آزاد'' میں جو دو چار مضمون، ان سے منسوب ہو کر چھپے، وہ راقم الحروف کے قلم سے تھے۔ ان کا مواد مختلف نشستوں کی گفتگو میں جمع کیا، انہیں سرے سے یہ پتہ ہی نہ لگنے دیا کہ جو سوال ان سے پوچھے جا رہے ہیں، کسی تحریر کے لئے ہیں۔ انہیں معلوم ہوتا تو لازماً پہلو تہی فرماتے۔ وہ صرف خطابت یا گفتگو کے شناور تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس ملک میں پیدا ہوئے وہ اس جیسے ملک کے لئے نہ تھے، جس قوم کو انہوں نے خطاب کیا اس کا مزاج، صدیوں کی گردش نے بگاڑ دیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے لئے ناموزوں تھے۔ یہ فیصلہ کرنا بھی مشکل ہے کہ انہیں کب پیدا ہونا چاہیے تھا اور وہ اس عہد و محل کے آدمی تھے یا نہیں؟ وقت سے پہلے پیدا ہو گئے یا وقت کے بعد؟ اس قسم کے سوال عموماً خوش فکری کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ قدرت ہر انسان کو اس کے عہد اور محل کے مطابق پیدا کرتی ہے۔ شاہ جیؒ کے لئے یہی زمانہ، یہی زمین، یہی قوم اور یہی حالات قدرت نے تجویز کئے تھے۔ انہوں نے جس ولولے یا انہماک کے ساتھ اپنے فرائض ادا کئے وہی ان کے سوانح و افکار کی تصویر ہیں۔ خود مانع نہ ہوتے تو ان کی شبانہ روز گفتگوئیں اتنی جامع تھیں کہ کئی دفتر تیار ہو سکتے تھے۔ جن لوگوں نے ہماری ''تاریخ کے مختلف دور مرتب کئے'' اس ملک یا اس قوم کے لئے بہت کچھ چھوڑ گئے۔ لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ اپنے قلم یا زبان سے انہوں نے ان واقعات و حالات کو مدون نہ کیا۔ جن میں سے وہ خود گزر رہے تھے۔ اور اپنے ساتھ اس قوم کو بھی گزارا تھا۔ سینکڑوں واقعات ہمارے سامنے سے نکل چکے ہیں، ہمیں ان واقعات کے پس منظر و پیش منظر کا بھی علم ہے۔ لیکن جن افراد و اشخاص نے ان واقعات کو پیدا کیا، ان کے عجز و انکسار یا اعراض و انکار نے اصلیتوں کا رخ پھیر دیا۔ نتیجتاً حقیقتیں سخن سازوں کے ہتھے چڑھ کر کچھ سے کچھ ہو گئیں۔

شاہ جیؒ کو ایک تاریخ تھے، انہوں نے تاریخ بنائی، تاریخ کا ساتھ دیا، تاریخ کے ہمراہ چالیس سال تک سفر کیا۔ چنانچہ جب کبھی موج میں ہوتے تو واقعات کے دفتر کھل جاتے۔ انہوں نے مخالف و موافق سبھی تحریکوں کو دیکھا، پڑھا، جانچا، تولا، حصہ لیا، بلکہ ان تحریکوں میں سے بعض کو اجالا، اچھالا، چلایا بلکہ دوڑایا۔ وہ خود ایک رہنما تھے، انہیں رہنما بھی ملے، اور راہرو بھی۔ جس آزادی کا یہ برعظیم مالک ہے اس کا ہر دور ان کی صداؤں سے معمور رہا۔ وہ ہر رہنما سے واقف تھے۔ انہوں نے تحریکوں کو نچوڑا تھا۔ افراد و اشخاص اور مجالس و جماعات پر جب کبھی وہ تجزیاتی تبصرہ کرتے تو اصولاً تاریخ کا ایک عظیم سرمایہ کھلتا اور بکھرتا چلا جاتا تھا۔ لوگ سنتے اور پھر سر دھنتے تھے، انہیں کوئی چُنتا اور بُنتا نہیں تھا۔ ۱۹۴۷ء میں جب ملک بھر میں فسادات کا لاوا پھوٹا تو شاہ جیؒ امرتسر سے اٹھ کر لاہور آ گئے۔ یہاں دفتر احرار میں کئی ماہ قیام کیا۔ صبح و شام محفلیں جمتیں، تب پہلی دفعہ پتہ چلا کہ یہ عظیم انسان محض خطیب ہی نہیں بلکہ ایک نابغۂ روزگار شخصیت ہے، جو اپنے اندر کیا کچھ نہیں رکھتی ہے۔

شاہ جیؒ کے تحریک خلافت سے لے کر تحریک پاکستان کے حالات کو بڑے شرح و بسط سے بیان کیا۔ واقعات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیان کرتے ہوئے جوش وغضب میں آجاتے، پھران کے گھنگھریالے بال، خیال یار کی طرح بل کھانے لگتے، چہرہ تمتما اٹھتا، لہجہ مُغنّی سے مجاہد کا ہو جاتا۔نفیر میں تلوار کی سی تیزی آجاتی۔معلوم یا محسوس یہ ہوتا کہ دریا میں طغیانی آ گئی ہے۔ اور ہم اس میں بہے چلے جا رہے ہیں۔ دماغ سوچتا کہ یہ مجذوب اور قلندر کی باتیں ہیں، ان میں ایک سیاستدان کا عمق نہیں۔ یہ ایک ایسے شخص کے نعرہ ہائے رستاخیز ہیں جو سیاسیات کے پیچ ضرور لڑا تا رہا ہے مگر جوڑ توڑ کا آدمی نہیں۔ اس وقت شاہ جیؒ کی باتوں میں غصہ وغضب دونوں ہوتے، خیال ہوتا کہ بادل میں نکل جائیں گے۔ ہمارے کتابی پیمانوں کے مطابق شاہ جیؒ کے ''فرمودات'' زیادہ سے زیادہ فقیر کی گدڑی کے پیوند ہیں، لیکن جب نتائج سامنے آئے اور آثار ومظاہر کا نقشہ بندھا تو معلوم ہوا کہ شاہ جی جو کچھ کہہ رہے تھے پوری تصویر اسی کے مطابق ہے۔ ہر نگینہ اپنی انگوٹھی میں لگا ہوا ہے ہر پھول شاخ پر ہے۔

آجکل سیاسیات میں جھوٹ بولنا گویا قومی روزمرہ ہے۔ لیکن شاہ جیؒ کے بارے میں یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ انہوں نے زندگی بھر جھوٹ نہیں بولا۔ ان کے دماغ نے فیصلوں میں غلطی کی ہوگی، آخر وہ ایک انسان ہی تھے لیکن ان کا دل ہمیشہ سچا رہا اور غالباً یہی سبب تھا کہ وہ کڑی سے کڑی افتاد میں بھی صحیح نکل آتے تھے۔ وہ بظاہر مُلا تھے، لیکن حقیقتاً مُلا نہ تھے۔ وہ بیسیوں دماغوں کا خلاصہ اور سینکڑوں تقریروں کا مرقع تھے۔ خطابت کا وصف تو خیر ان کا خانہ زاد تھا، قدرت نے انہیں عقلوں کے شکار کا سحر بخشا تھا۔ جو قدرت انہیں زبان و بیان پر تھی وہ بڑے بڑے انشا پردازوں میں ہی ہوتی ہے۔ فرماتے تھے اردو زبان ماں کے دودھ سے حاصل کی ہے، شاد عظیم آبادی کی گود میں کھیلا ہوں۔ ادب وشعر کے تمام اصناف سے باخبر تھے، ہزاروں اشعار ازبر تھے۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ کی طرح انہیں بھی اپنے حافظہ پر بڑا ناز تھا۔ عربی، فارسی، اردو، پنجابی کے اشعار و لطائف کا ایک دفتر دماغ میں محفوظ تھا۔ موقع اور محل کی مناسبت سے سماں باندھ دیتے تھے۔ آواز خوش اور گلا نورانی پایا تھا۔ قرآن پڑھتے تو معلوم ہوتا کہ روحیں شکار ہوگئی ہیں۔ طبیعت پر کوئی بند نہ تھا۔ لفظ، محاورے، یا روزمرہ کی غلطی پر فوراً ٹوک دیتے تھے۔ ان کے ہاں قدیم وجدید کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ خود ان لوگوں میں سے تھے جو ماضئ مرحوم میں زندگی بسر کرتے ہیں لیکن حال یہ تھا کہ بوڑھوں میں جوان تھے، اور جوانوں میں بوڑھے۔ کسی سے شدید اختلاف کے باوجود اس کے اوصاف کورد نہ کرتے تھے۔ ان کے احباب کا ایک خاص حلقہ تھا۔ علامہ اقبالؒ سے آخر تک تعلق خاطر رہا، وہ یا پیر کہہ کر مخاطب فرماتے، آپ یا مرشد کہہ کر پکارتے، پھر دیر تک شاعری کا دور چلتا۔ حضرت علامہ اکثر اپنا کلام ان سے سنتے، بار ہا راز و نیاز کی باتیں بھی ہوتیں۔ نیاز مندان لاہور یعنی عبدالمجید سالک، محمد دین تاثیر، چراغ حسن حسرت اور احمد شاہ بخاری (پطرس) سے ایک زمانہ کے دوستانہ تعلقات تھے۔ یہ چاروں قلم کے دھنی تھے۔ عبدالمجید سالک سے ایک زمانہ میں ایسی کھنچی کہ ٹوٹ گئی لیکن آزادی کے بعد، یا آزادی سے کچھ پہلے یہ رشتہ بھی استوار ہوگیا، یعنی دونوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کئی سال کی مفارقت کے بعد صلح ہوگئی۔ دونوں بذلہ کے میدان منفرد تھے لیکن شاہ جیؒ، شاہ جیؒ تھے۔ تاثیر مرحوم اور پطرس مرحوم تو ان پر گویا جی جان سے قربان ہوتے۔ چراغ حسن حسرت زبان کے معاملہ میں بد دماغ تھے، کسی کو نہیں مانتے تھے لیکن، شاہ جیؒ کے سامنے ان کا چراغ بھی نہیں جلتا تھا۔ حسرت نے طنز کی، شاہ جیؒ نے وار کیا۔ حسرت نے ضلع جگت کا سہارا لیا، شاہ جی نے پھبتیوں کا جھاڑ و باندھا۔ ادھر سے بذلہ آیا، ادھر سے چٹکی لی گئی۔ مطائبات کا ایک یدھ ہوگیا۔ اب وہاں سے اٹھے، تو مولانا احمد علیؒ سے سامنا ہوگیا۔ اب ان پر گویا بچھے جارہے ہیں۔ ادھر معلوم ہوا کہ حضرت رائے پوریؒ لاہور میں تشریف فرما ہیں، ان کی قیام گاہ پر پہنچے۔ دو زانو ہوگئے۔ وہاں سے چلے اپنی قیام گاہ پر پہنچے، دوستوں اور عقیدت مندوں کا ہجوم ہے۔

''اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھئے کیا ہوتا''

''نہیں بھائی یہ محاورہ یوں نہیں یوں ہے''۔ ''خوب شعر کہا ہے آپ نے'' لیکن اس قافیہ میں آپ نے ایطاء جلی کا خیال نہیں کیا ہے۔

''لعنت بر پدر فرنگ''، جس نے اس پر اعتبار کیا، مارا گیا۔

''نہیں بھائی! خطابت کتابوں سے نہیں آتی، اور میں تو لوگوں کی نگاہوں سے مضامین چنتا ہوں''

''چھوڑو جی اس بات پر دو حرف بھیجو۔ ہم نے تمام عمر یہ پاپڑ بیلے ہیں۔ اب آسمان میں ٹھگلی لگانے سے فائدہ اور مٹھی میں ہوا کا تھامنا کیا؟''

''جب تک انگریزوں کا دور رہا، حسینؓ کی سنت پر عمل کیا، اب اپنوں کی حکومت ہے۔ حسنؓ کی سنت پر چل رہا ہوں''۔

''کتاب اللہ کی بلاغت کے صدقے جایئے، خود بولتی ہے کہ میں محمدؐ پر اتاری گئی ہوں، بابو اس کی قسمیں نہ کھایا کرو، اسے پڑھا کرو، سید احمد اور شاہ اسمٰعیل (رحمہم اللہ تعالیٰ) کی طرح نہ سہی، اقبال ہی کی ..... طرح پڑھ لیا کرو۔ دیکھا، اُس نے قرآن کو قرآن میں ڈوب کر پڑھا تو مغرب کی دانش پر ہلہ بول دیا۔ وہ تمہارے بتکدوں میں اللہ اکبر کی صدا تھا، اور سچ ہے رہے نام اللہ کا۔ وہ قافلہ ہی اجڑ گیا، جس کے بخاری سرخیل تھے۔

اب ان کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں
یارب وہ ہستیاں اب کس دیس بستیاں ہیں

© rasailojaraid.com